سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

سوانح و افکار



شورش کاشمیری

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

سوانح و افکار

مطبوعاتِ چٹان

۸۸ میکلوڈ روڈ ○ لاہور

اس کو "منٹے خانہ" یعنی لڑکوں کا احاطہ کہتے تھے اور ایک حصے میں ایک بڑا اور کھلا کمرہ تھا جس میں سات آٹھ قیدیوں کے لئے گنجائش تھی چونکہ یہ کمرہ قید محض (یعنی بے مشقت) والے قیدیوں کے لئے مخصوص ہوتا تھا اس لئے کمرہ کہلاتا تھا۔ یہ دونوں حصے ایک درمیانی دروازے سے ملے ہوئے تھے۔ اختر علی خان، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا داؤد غزنوی، عبدالعزیز انصاری، عطاء اللہ شاہ بخاری، مولوی لقاء اللہ، صوفی اقبال، راجہ غلام قادر خان، مولانا عبداللہ چوڑی والے دہلوی، میں اور نذیر احمد سیماب "محض کمرے" اور "منٹے خانے" میں بھیج دیئے گئے۔ اور وہیں ہمارے باورچی خانے کا انتظام کر دیا گیا۔ سردار سردول سنگھ کویشر، سردار منگل سنگھ اور ان کے دو ہندو ساتھی ہندو لیڈروں کے احاطے میں بھیج دیئے گئے جس میں اب ڈاکٹر ستیہ پال، لالہ گردہاری لال امرتسری، لالہ ترلوک چند، دیش بندھو گپتا (تیج) اور متعدد مشہور کارکن آ گئے تھے۔

چند ہی ہفتوں میں میانوالی جیل سیاسی قیدیوں سے معمور ہو گیا اور رضاکاروں کے احاطوں سے قومی نعروں کی دلآویز صدائیں بلند ہونے لگیں۔ پڑھے لکھے قیدیوں نے مطالعہ وغیرہ کا مشغلہ اختیار کیا۔ چنانچہ ہم لوگوں کا پروگرام یہ ہوتا تھا صبح اُٹھ کر ضروریات سے فارغ ہوئے، نماز باجماعت ادا کی اور چائے پی۔ اس کے بعد میں اور عبدالعزیز انصاری مولانا احمد سعید سے ادب عربی صرف و نحو عربی اور منطق کا سبق لینے لگے۔ اختر علی خان اور راجہ غلام قادر خان، سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے قرآن صحیح کرنے لگے، مولوی لقاء اللہ عثمانی اپنی سازشوں اور چوریوں میں مصروف ہو گئے یعنی فلاں فلاں مطلوبہ چیز کیونکر چوری چھپے باہر سے منگوائی جائے اور فلاں پیغام فلاں شخص کو کس تدبیر سے پہنچایا جائے۔ مولوی لقاء اللہ نماز میں ہم سب کے پیش امام بھی تھے اور یہ چوری چھپے کے کام بھی انہی کے سپرد تھے چنانچہ میں نے اُن کا لقب "اُمام السارقین" مقرر کیا تھا، سید حبیب بعض وجوہ سے ہمارے ساتھ نہ ٹھہر سکے اس لئے دوسرے احاطے میں چلے گئے تھے۔ ایک زمانہ میں وہ مولانا داؤد غزنوی کو انگریزی پڑھایا کرتے تھے اور مولانا داؤد سید حبیب کو عربی پڑھاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ ان کو انگریزی

آئی نہ ان کو عزیز ی —— خیر یہ دن بھر کا پروگرام عرض کر رہا تھا۔ صبح ہم تھوڑی سی مشقت بھی کرتے تھے یعنی چرخے یا پانچ تار کا سوت (صرف بقدر دو چھٹانک) دری بافی کے لئے بٹ دیا کرتے تھے۔ یہ کوئی بیس منٹ کا کام تھا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد تعلیم کا سلسلہ ایک بجے تک جاری رہتا۔ اس وقت مولانا عبد اللہ چوڑی والے للکار کے کہتے "ارے بھائی! کھانا تیار ہے" اگرچہ ہمارا کھانا پکانے پر مشقتی قیدی مقرر تھے لیکن ہم نے باورچی خانے کا چارج مولانا عبد اللہ کو دے رکھا تھا۔ اور انہوں نے اپنے فرائض مفوضہ کو جس خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا وہ انہی کا حصہ تھا۔ انہوں نے اپنی مہارت فن سے دہلی کے وہ وہ کھانے پکا کر ہمیں کھلائے کہ "جیل کو دیکھ کے گھر یاد آیا" سب اکٹھے بیٹھ کر لطف کے ساتھ کھانا کھاتے اور قیلولہ فرماتے۔ نماز ظہر اور عصر کے بعد چائے کا دوسرا دور جاری ہوتا۔ مغرب کے بعد کھانا کھایا جاتا اور عشاء کے بعد بھی دیر تک بحث مباحثے جاری رہتے۔ کبھی کبھی قوالی بھی ہوتی تھی جس میں اختر علی خان گھڑا بجاتے، صوفی اقبال تالی بجا کر تان دیتے، سید عطاء اللہ شاہ بخاری غزل گاتے، مولانا احمد سعید شیخ مجلس بن کر بیٹھتے اور مولانا داود غزنوی اور عبد العزیز انصاری حال کھیلتے۔ غرض ہم لوگوں کے مشاغل، صوم وصلوٰۃ، تلاوت قرآن، تعلیم وتعلم اور تفریح وتفنن کے تمام پہلوؤں سے مکمل تھے لیکن بعض اوقات قوالی میں اتنا غلغلہ اور ولولہ ہوتا کہ دوسرے دن ہمارے ہمسائے یعنی پھانسی کی کوٹھڑیوں والے قیدی سپرنٹنڈنٹ جیل سے شکایت کرتے کہ "حضور ہمیں یہاں سے کہیں اور بھیج دیجئے یہ مولبی" لوگ ہمیں ساری رات سونے نہیں دیتے۔

اب ہمارے کمرے میں ایک قابل قدر شخصیت کا اضافہ ہو گیا تھا دہلی کے مولانا عبد اللہ چوڑی والے آ چکے تھے اور ان کی وجہ سے ایک خاص قسم کی شگفتگی دوستوں میں پیدا ہو چکی تھی۔ مولانا دہلی کے نہایت ممتاز قومی کارکن ہونے کے علاوہ مختلف قسم کے دہلوی کھانے پکانے میں بڑے ماہر تھے چنانچہ مولانا احمد سعید کی استدعا پر انہوں نے ہمارے باورچی خانے کا چارج لے لیا۔ اور اسی دن سے

ہمارے دستر خوان کی لذتوں میں اضافہ ہو گیا۔ کہیں کھٹے مسالے کا قورمہ پک رہا ہے کبھی میٹھے ٹکڑے تیار ہو رہے ہیں، کبھی پُر تکلف قبولی کھچڑی تیار ہو رہی ہے۔ کبھی ماش کی بھربری دال دستر خوان پر آ رہی ہے۔ چونکہ ہمیں دو چھٹانک فی کس کے حساب سے گھی ملتا تھا اور معمولی کھانوں میں استعمال ہونے کے بعد بچ رہتا تھا اس لئے مولانا عبداللہ اس کا خشک حلوا تیار کر لیتے تھے اور اس کے قتلے کاٹ کاٹ کر سب دوستوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ یہ حلوا عام طور پر تیسرے پہر کی چائے کے ساتھ کھایا جاتا تھا۔ مولانا عبداللہ کی عمر تو اس وقت سینتیس اڑتیس سال سے زیادہ نہ تھی لیکن سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ داڑھی فرنچ کٹ تھی اور شرخ و سفید رنگت پر بہار دیتی تھی۔ پرلے درجے کے ہنسوڑ اور خوش مزاج واقع ہوئے تھے اور دلچسپ واقعات اور لطیفے سنا کر ہم سب کا دل بہلاتے تھے۔

یوں تو سبھی احباب شفیق اور محبت پرور تھے مگر مولانا احمد سعید بے تکلف دوست ہونے کے علاوہ عربی میں میرے اُستاد بھی تھے۔ عبدالعزیز انصاری بڑے قابل اور مخلص انسان اور تحصیل عربی میں میرے ہم سبق تھے۔ لقاء اللہ عثمانی، صوفی اقبال احمد، اختر علی خان سبھی سے برادرانہ تعلقات تھے لیکن جو خصوصیت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے تھی وہ اپنے رنگ میں مثال نہ رکھتی تھی شاہ صاحب اس زمانے میں شعر تو نہ کہتے تھے لیکن اردو اور فارسی میں شعر فہمی اور سخن سنجی کا ملکہ خصوصی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی شگفتگی طبع، ان کا خلوص، ان کی محبت پروری بے مثال تھی۔ بارہا ایسا ہوا کہ رات کے وقت دوسرے احباب خوابِ غفلت میں پڑے خراٹے لے رہے ہیں اور میں اور شاہ جی جو باتیں کرنے لگے تو رات کے تین بج گئے۔ خدا جانے وہ کون سے موضوع تھے جس پر اس قدر طویل گفتگوئیں ہوتی تھیں لیکن دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ وقت گزرتا جاتا تھا اور ہمیں احساس تک نہ ہوتا تھا۔

جیل کی زندگی میں لطیفوں کی کمی نہ تھی۔ ایک دن شاہ صاحب نے قصہ سنایا کہ پٹنہ میں ایک مولوی صاحب وعظ فرما رہے تھے جس میں "لا تنابزوا بالالقاب" کی تفسیر

کے سلسلے میں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ کسی کی چڑ مقرر نہ کرنی چاہیئے جس سے دوسرا شخص چڑ جائے۔ مجلس واعظ میں ایک مقامی تحصیل دار صاحب بیٹھے تھے انہوں نے پاس بیٹھتے ہوئے ایک صاحب سے کہا، لوگ یونہی چڑ جاتے ہیں اگر کوئی شخص کسی کو چڑانے کی کوشش کرے اور وہ نہ چڑے تو کوئی بات نہیں مخاطب نے جواب دیا، نہیں حضرت چڑ کی بات سے آدمی چڑ ہی جاتا ہے، اس سے تغافل کرنا بڑا مشکل ہے۔ تحصیل دار صاحب قائل نہ ہوئے تو دوسرے شخص نے خاموشی اختیار کر لی، دو چار منٹ گزرے تھے کہ اس شخص نے تحصیلدار صاحب سے پوچھا، کیوں صاحب! آپ کے ہاں شلجم کا اچار ہے۔ جواب ملا نہیں صاحب، میرے ہاں شلجم کا اچار نہیں ہے۔ کوئی دو منٹ کے بعد اس نے پھر سوال کیا، کیوں صاحب آپ کے ہاں شلجم کا اچار ہے؟ تحصیلدار صاحب نے جواب دیا کہ میں عرض کر چکا ہوں نہیں ہے، یہ بہت خوب کہہ کر پھر چپ ہو گئے۔ لیکن ابھی پانچ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ پھر پوچھا، تحصیل دار صاحب، آپ کے ہاں شلجم کا اچار تو ہو گا۔ تحصیل دار صاحب برہم ہو گئے اور کہنے لگے کیا آپ نے مجھے مسخرا مقرر کر رکھا ہے۔ تین دفعہ تو کہہ چکا ہوں کہ شلجم کا اچار نہیں ہے لیکن آپ برابر وہی پوچھتے جا رہے ہیں، اس شخص نے معافی مانگی اور خاموش ہو گیا لیکن ابھی دو ہی منٹ ہوئے تھے کہ اس نے پھر وہی سوال دہرایا کیوں صاحب آپ کے ہاں شلجم کا اچار ہے۔ اب تحصیل دار صاحب کے ضبط کا پیمانہ چھلک گیا کہنے لگے "عجیب بدتمیز ہو تم" یہ کیا بکواس ہے؟ شلجم کا اچار ہے، شلجم کا اچار ہے، ساری مجلس وعظ ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ مولوی صاحب نے وعظ روک دیا اور شخص نے فقط اتنا کہا کہ صاحب میں نے تو صرف یہ پوچھا تھا کہ شلجم کا اچار ہے۔

تحصیل دار صاحب نے جوتا پکڑ لیا۔ اب آگے آگے وہ شخص اور پیچھے پیچھے تحصیلدار صاحب بھاگتے ہوئے مجلس وعظ سے نکل کر بازار میں پہنچ گئے، وہ شخص بار بار پیچھے مڑ کر پوچھتا شلجم کا اچار ہے؟ تحصیل دار صاحب گالیاں دیتے ہوئے اس کو مارنے دوڑے، یہاں

تک کہ شلجم کا اچار شہر بھر میں مشہور ہو گیا۔ تحصیل دار صاحب جدھر سے گزرتے لوگ بہانے بہانے شلجم کے اچار کا ذکر چھیڑ کر ان کو چڑاتے اور وہ چڑ کر گالیاں بکتے۔ لطیفہ نہایت دل کش تھا۔ دن بھر یاروں میں اس کا چرچا رہا۔ تین چار دن کے بعد دوستوں نے سازش کی کہ سید عطاء اللہ شاہ کو چڑایا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے صوفی اقبال احمد شاہ جی کی کوٹھڑی کے سامنے پہنچے اور انگشت شہادت سے اشارہ کر کے پوچھا، شاہ جی آپ کے پن ہو گی، شاہ جی نے کہا نہیں بھائی میرے پاس پن نہیں ہے۔ کوئی ایک منٹ کے بعد اختر علی خان پہنچے اور اس طرح انگشت شہادت کے پورو سے اشارہ کر کے پوچھا کیوں شاہ جی آپ کے پاس پن ہو گی، شاہ جی نے ان کو بھی یہی جواب دیا کہ پن نہیں ہے۔ دو منٹ کے بعد ایک اور صاحب پہنچے، شاہ جی پن ہے؟ شاہ جی کے مزاج کا پارہ چڑھنے لگا۔ باہر نکل آئے اور کہنے لگے کیا تم سب کے ٹانکے اُدھڑ چکے ہیں کہ باری باری آکر مجھ سے پن مانگتے ہو، اتنے میں ایک اور دوست پہنچ گئے اور نہایت متانت سے فرمانے لگے شاہ جی آپ کے پاس پن تو ہو گی؟ شاہ جی نے انہیں بری طرح ڈانٹا اس کے بعد جو ہر طرف سے شاہ جی پن ہی کے سوالات شروع ہوئے تو شاہ جی اتنے غصے میں آئے کہ مادر و خواہر کی مغلظات تک سنا دیں۔ خیر ہم نے بڑی کوشش اور خوشامد و آمد سے ان کے غصے کو ٹھنڈا کیا اور بتایا کہ ہم تو صرف شلجم کے اچار والے لطیفے کو دہرا رہے تھے۔

جیل یا کھیل

جو لوگ شاہ جی کے ساتھ جیل خانے میں رہے ان کا بیان ہے کہ شاہ جی قید کو کبھی سیریس (SERIOUS) نہیں لیتے تھے، جیل خانے کی چار دیواری میں ان کے قہقہے زیادہ وسیع ہو جاتے، اکثر ہندو نوجوان جو جیل میں ساتھ رہے آپ کی باغ و بہار طبیعت کے انتہائی گرویدہ تھے بالخصوص کمیونسٹ اور سوشلسٹ نوجوان جو ان کی شخصیت سے پیار کرتے لیکن خطابت سے خوف کھاتے تھے۔ مشہور ٹیررسٹ قیدی شیر جنگ نے ملتان سنٹرل جیل میں

آپ سے ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھا تھا، ایک دن اُس نے سوال کیا:

"شاہ جی، قرآن میں یہ تو درج ہے کہ مسلمان آزادرہ کر اس طرح زندگی بسر کریں لیکن یہ کہیں درج نہیں کہ غلام ہوں تو کیونکر زندگی گزاریں؟ سارے قرآن میں مسلمان اور غلامی کہیں بھی اکٹھے نہیں ہیں، آخر مسلمان جنگ آزادی میں حصہ کیوں نہیں لیتے"؟

یہ بات شاہ جی کے دل میں اُتر گئی۔ پھر کیا تھا مدت العمر عام جلسوں میں مسلمانوں سے اس کا جواب پوچھتے پھرے۔

ایک سوشلسٹ نوجوان نے جو آپ کے ساتھ قید میں تھا سوال کیا:

شاہ جی آپ نے کبھی نماز ترک نہیں کی اور نہ کبھی روزہ چھوڑا؟ پھر آپ کا دل عام نمازیوں کی طرح سخت کیوں نہیں؟

شاہ جی مسکرائے، فرمایا بھائی جو مذہب انسان کے دل کو گداز نہیں کرتا وہ مذہب نہیں سیاست ہے اور مجھے ایسی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔

شاہ جی نے جیل میں مونج کوٹی، بان بٹا اور گندم پیسی لیکن عام طور پر مشقت سے بے نیاز ہی رہے، ایک زمانہ میں ٹوپی پہننا چھوڑ دی، کسی نے وجہ پوچھی فرمایا پہلی دفعہ جیل گیا تو جیلر نے ہاتھ بڑھا کر ٹوپی اُتارنا چاہی، میں نے ہاتھ روک لیا اور اُتار کر خود حوالے کر دی، تب سے فیصلہ کیا ہے کہ ٹوپی نہیں پہنوں گا۔ بس یہ جو گوشیہ رومال سر پر رکھتا ہوں۔

اب تو جیل خانوں میں کافی اصلاح ہو چکی ہے ایک زمانہ میں قیدی کو تین ماہ بعد ایک خط لکھنے اور دو ماہ بعد ایک خط وصول لینے کا حق ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا جبر تھا نتیجۃً بہت سے قیدی بیرنگ خط لکھتے جو بیرونی سنسر شپ کی وجہ سے پکڑے جاتے اور ان کی سزا کا موجب ہوتے، شاہ جی نے اس کا توڑ پیدا کیا۔ پنڈت کرپارام برہم چاری کے نام سے اپنے احباب کو دیناج پور جیل سے اکثر خط لکھتے رہے اور یہ نام سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا ترجمہ یا بدل تھا۔

زیر تفتیش تھے اور اسے معطل کیا جا چکا تھا اس نے ان مقدمات کی واپسی کے لئے وزارت سے بلیک میل کیا یعنی لدھارام کو جو اس کا مرغ دست آموز تھا اس طرح قربان کر کے اپنے آپ کو بچایا، لدھارام کی شہادت کے بعد وہ بھی ایک گواہ ہو گیا کیونکہ وزیر اعظم کی مبینہ چیٹھی پر صحیح روشنی ڈالنے کا مجاز وہی تھا۔ اس نے سودا کیا اور کامیاب رہا۔ اس برأت کے بعد شاہ جی پر قیام پاکستان تک کوئی مقدمہ نہیں چلا۔ پاکستان بنا تو سیاست سے ذہناً مستعفی ہو گئے لیکن قادیانیوں کا تعاقب جاری رکھا۔ آخر ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں راست اقدام کا فیصلہ کیا تو حکومت نے راتوں رات سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے سکھر جیل میں رکھا۔ ایک بڑے افسر نے آپ سے جیل میں ملاقات کی اور بزعم خویش نصیحت کرنے لگا۔

"شاہ صاحب اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے اور انگریز جا چکا ہے مگر آپ ابھی تک پرانے ڈگر پر قائم ہیں بھلا اپنی ہی حکومت کے خلاف ہنگامہ آرائی سے فائدہ؟ سوائے اس کے کہ اسلامی حکومت کمزور ہو؟"

شاہ جی ان بزرگوار کو اچھی طرح جانتے تھے ان کے لہجے کی صاحبی پر مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"جی ہاں میرے علم میں ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے لیکن ؏

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

کچھ لوگ اسلامی حکومتوں میں برسر اقتدار رہتے اور کچھ جیل خانے میں رہتے ہیں، آپ اپنا کام کیجئے ہمیں ہمارا کام کرنے دیجئے، تاریخ اپنے آپ کو اسی طرح دہراتی ہے۔"

تجربہ گاہ

شاہ جی نے جیل خانے میں بڑے بڑے تجربے حاصل کئے، فرماتے جیل خانہ ترازو ہے اور کسوٹی بھی، جس سے ہر انسان کی اصلیت معلوم ہو جاتی ہے کسی انسان کا ظرف پرکھنا ہو یا یہ معلوم کرنا ہو کہ وہ کیا ہے؟ تو اسے دستر خوان یا جیل خانے میں پہچاننے کی کوشش

کرو۔ دونوں جگہیں ایسی ہیں جہاں انسان بولتا ہے اس معیار پر انہوں نے لوگوں کو پرکھا اور تولا۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر افراد کے معاملے میں ان کی رائے بڑی صاف اور پختہ تھی جہاں تک سیاسی تحریکوں میں قید ہونے والے افراد کا تعلق تھا وہ جیل خانے کو تربیت گاہ سمجھتے لیکن اخلاقی مجرموں کے بارے میں ان کا نقطۂ نگاہ مختلف تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جیل خانے مجرموں کو مزید مجرم بناتے ہیں اور یہاں اصلاحِ احوال کی توقع ہی عبث ہے جو خرابیاں ایک اخلاقی قیدی کو جیل خانے میں سوجھتی اور سجھائی جاتی ہیں وہ ایسی ہیں کہ ایک طرف خطرناک جرم پرورش پاتے ہیں دوسری طرف سزا کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

قانون و سزا کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر حکیمانہ تھا، وہ قانون کو حکیم سولن کے الفاظ میں مکڑی کا جالا سمجھتے جو طاقت ور سے ٹوٹ جاتا اور کمزور کو پھانس لیتا ہے اِن کی نظر میں جرم سے کہیں زیادہ قانون سخت تھا اور سزا کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ محض انتقام ہے اپنی قید و بند کے خلاف کبھی کوئی شکایت نہ کی اور نہ کسی افسر مجاز کا گلہ کیا۔ جو مصیبتیں پیش آئیں انہیں بچشم قبول کیا۔ البتہ کبھی کبھار تقریر کا رنگ باندھنے کے لئے فرماتے۔

"جیل خانہ میری بیوی کا حق مہر نہ تھا اور نہ وہ عفیفہ خاتون اپنے جہیز میں ساتھ لائی تھی"۔

ان کے گنجلک بالوں کی سپیدی، کھلے ماتھے کی سلوٹوں اور متحرک آنکھوں کی عقبی لہروں پر اچٹتی ہوئی نظریں ڈالتے ہی قید و بند کی ایک ایسی تاریخ سامنے آجاتی تھی جس کا سرنوشت تھا ۔

نالہ از بہرِ رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

کی غلامی کو برقرار رکھنے کے لئے جو کارنامے اس صوبہ کے بڑے بڑے خاندانوں نے سرانجام دیئے اس سے انگریزی مفاد کو بڑی تقویت پہنچی۔

انوکھی خصوصیت

انگریز ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ حریت میں جان چکے تھے کہ پنجاب ہی ایک ایسا صوبہ ہے جو ہر کڑے وقت میں ان کے استعماری مقاصد کا پشتیبان ہو سکتا ہے لیکن تریسٹھ برس بعد تحریک خلافت نے ہندو مسلم اتحاد کا جو منظر پیش کیا اس سے انگریز خوفزدہ ہو گئے انہوں نے تحریک کے فوراً بعد اس اتحاد کو ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ کر ڈالا۔ اور پنجاب میں تو وہ اس اتحاد کو مطلقاً نہ چاہتے تھے۔ یہاں ہندو مسلم اتحاد تو ایک طرف رہا انہیں مسلمانوں میں کسی آزاد خیال سیاسی تنظیم یا سیاسی تحریک کا وجود بھی گوارا نہ تھا وہ سیاستہً پنجاب کو برطانوی ہندوستان کی سرحد سمجھتے تھے۔ انہوں نے پنجاب کو فوجی صوبہ بنا ڈالا اور اس کے مختلف عوامل وعناصر کو اس طرح قابو میں رکھا کہ برطانوی مقاصد کے لئے تو وہ مختلف المذاہب ہونے کے باوصف ایک تھے۔ لیکن ملکی مقاصد میں ایک دوسرے کے خلاف تھے چنانچہ اس ضمن میں چند باتیں خصوصیت سے قابل غور ہیں۔

ا۔ ہندوستان کے سیاسی رجحانات سے پنجاب کو الگ تھلگ رکھنے کی انتہائی کوشش کی گئی بالخصوص مسلمانوں میں نہ تو کسی مرکزی مسلمان لیڈرشپ کا اثر بڑھنے دیا گیا اور نہ کسی صوبائی انقلابی قیادت کے لئے کام کا راستہ ہموار ہونے دیا۔

ب۔ پنجاب میں دوسرے صوبوں کی طرح صرف ہندو مسلم مسئلہ ہی پیدا نہیں کیا گیا بلکہ ایک تیسرا مسئلہ سکھوں کا اٹھایا گیا جس سے فرقہ واریت کا عقدہ سہ گونہ ہو گیا۔

ج۔ ملک کے فرقہ وارانہ مسئلہ میں انگریزی اغراض کے ایماپر جو شدت پیدا ہوتی گئی اس کا سرچشمہ پنجاب تھا۔

د۔ تحریک خلافت کے ٹھنڈا ہوتے ہی فرقہ وارانہ مناقشات کی جو رو چلی اس کا

سرآغاز کوہاٹ اور سرچشمہ دہلی تھے لیکن اس کی اصل طاقت پنجاب تھا۔

حقیقی مہرے

ان اغراض کی تکمیل کے لئے جو مہرے کام کر رہے تھے وہ غایت درجہ خطرناک تھے مثلاً :

۱ ۔ پنجاب کی ہر قوم میں بڑے بڑے زمیندار التزاماً پیدا کئے گئے، ان کا اپنے دوائر میں استبدادی اثر تھا۔

۲ ۔ مسلمانوں پر قابو پانے کے لئے پیروں کی روایتی گدیاں نہ صرف بحال رکھی گئیں بلکہ مزید گدیاں پیدا کی گئیں۔

۳ ۔ بعض سرحدی اضلاع میں کئی لاکھ اور کئی کئی ہزار ایکڑ زمین کا مالک ایک سردار، ایک مہاراجے، ایک خان یا ایک نواب کو بنا دیا گیا۔

۴ ۔ عام لوگوں کو علم سے محروم رکھنے کے لئے بہ لطائف الحیل تعلیمی دروازے بند رکھے گئے۔

۵ ۔ مسلمانوں میں ان لوگوں کا اثر و رسوخ بہ طورِ خاص پیدا کیا جو برطانوی بساط کے دل پسند مہرے تھے۔

۶ ۔ عام مذہبی پیشواؤں کو مطیع و منقاد رکھا ان کی معرفت اصل اسلام کو مجروح کیا اور چند خاص قسم کی عصبیتوں کو رواج دیا۔

۷ ۔ ملّا کا دینؒ فی سبیل اللہ" فسانہ بنا دیا جس سے عام مسلمانوں میں علماء و صلحا کی توقیر گھٹتی گئی اور وہ دیہات میں زمینداروں کے کمین شمار ہونے لگے۔

۸ ۔ مسلمانوں میں اسلام کی بنیادی روح ختم کرنے کے لئے خانہ ساز نبوّت پیدا کی گئی اہلِ طریقت کو بہ لطائف الحیل اس راہ پر ڈالا کہ ان کی گدیاں مسلمانوں کے اندرونی خلفشار اور باہمی تو تکار کا مرکز بن گئیں۔

۹ - مسلمانوں کی معیشی زندگی کو نامسلمانوں کے تابع کر دیا گیا عام مسلمانوں میں سے صرف سپاہی لیئے گئے یا کلرک، جن چند خاندانوں کے افراد کو آگے لایا گیا وہ پشتینی وفادار تھے یا وہ لوگ تھے جن کا وجود قومی عزت کے منافی تھا ان لوگوں نے انگریزوں سے بڑھ کر برطانوی سلطنت کی بقا کے لیئے جاں نثاری کا ثبوت مہیا کیا۔

۱۰ - پنجابی مسلمانوں کی بیشتر آبادیاں آبائی رسوم کا شکار تھیں، ان کے نام تک مسلمان نہ تھے انہیں کلمہ طیبہ تو ایک طرف رہا السلام علیکم کہنا بھی نہ آتا تھا۔

۱۱ - ہندوؤں نے مسلمانوں کا معاشی اور مجلسی مقاطعہ کر رکھا تھا اور وہ عملاً انہیں غیر ہندوستانی ہی سمجھتے تھے۔

۱۲ - نیشنل کانگرس کے عام راہنما مسلم لیگ کے عوامی تحریک بننے سے پہلے مسلمانوں کو کانگرس میں شمول کی دعوت تو دیتے تھے لیکن عملاً ان پر کانگرس کے دروازے بند رکھتے تھے۔

۱۳ - صوبہ کے عام باشندے بالخصوص مسلمان حکومت سے اتنے خوفزدہ تھے کہ ایک کانسٹیبل کو بھی حاکم مطلق سمجھتے تھے۔

۱۴ - جن خاندانوں کو مسلمانوں کی تقدیر کا مالک بنا دیا گیا ان کی تاریخ اتنی شرمناک اور ہولناک تھی کہ اس تاریخ میں ملکی مقاصد سے غداری اور عوام پر جور و ستم کے سوا ایک ورق بھی قومی ہمدردی کا نہیں تھا۔

۱۵ - مسلمانوں کے اس گروہ کا یہ شعار ہو چکا تھا کہ اس کے ارکان اسلامی ملکوں اور قومی تحریکوں کے خلاف جاسوسی کے فرائض انجام دیتے تھے۔

۱۶ - مثلاً، تحریک لاتعاون میں جب خلافتی رضاکار علما کے فتویٰ کی کاپیاں تقسیم کرنے کے لیئے سر عمر حیات خان ٹوانہ کے علاقے میں گئے تو ان کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا گیا۔ رضاکاروں کو اغوا کر کے حاشیہ برداروں میں بانٹ دیا گیا جنہوں نے ان کے ساتھ منہ کالا کیا اس

صدمہ کی تاب نہ لاکر کبھی ایک نوجوان نے خودکشی کرلی۔

ضلع میانوالی کی ایک تحصیل میں شاہ جی پہلی دفعہ تقریر کے لیے گئے تو کسی مسلمان نے اپنے ہاں نہ ٹھہرایا۔ ایک ہندو نے شب بسری کیلئے جگہ دی تو اسے گاؤں چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا۔ وہ تنگ آکر بھاگ نکلا، ازاں بعد اس کے مکان کو آگ لگادی گئی۔

جس صوبہ کا حال یہ ہو اس میں کسی ایسی تحریک کی بنیاد رکھنا جس کی عنان شہر کے ادنیٰ متوسط طبقے کے ہاتھ میں ہو اور جو "اینٹی برٹش" ذہن بھی رکھتا ہو، ایک دلیرانہ اقدام تھا جس کے عواقب و نتائج کا صحیح اندازہ غالباً خود اس گروہ کو نہ تھا۔

جماعت احرار کی بنیاد

جن لوگوں نے احرار کی بنیاد رکھی ان میں مولانا ظفر علی خان، مولانا داؤد غزنوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر، خواجہ عبدالرحمٰن غازی اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی پیش پیش تھے۔[1]

مولانا شوکت علی مرحوم نے ذاتی ناراضی کی بنا پر پنجاب میں خلافت کمیٹی کو غیر آئینی قرار دیا تو ان پنجابی راہنماؤں نے ۱۹۲۸ء کے اواخر میں علیحدہ تنظیم کے امکانات پر سوچ بچار کیا اور ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء کو چودھری افضل حق مرحوم کی صدارت میں جماعت احرار کی بنیاد رکھی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری پہلے صدر منتخب کیے گئے، دسمبر ۱۹۲۹ء میں کانگرس نے مکمل آزادی کا ریزولیوشن پاس کیا اور اپریل ۱۹۳۰ء میں نمکین ستیہ گرہ کا آغاز کر دیا۔ احرار ذہناً کانگرس کے ہمنوا تھے انہوں نے اپنی تنظیم کو ادھورا چھوڑا اور کانگرس میں شریک ہو کر سول نافرمانی میں حصہ لینے لگے، گاندھی ارون میثاق کے تحت عفو عام کا اعلان ہو گیا تو پنجاب میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے سوا سب قیدی رہا کر دیئے گئے۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل کی صدارت میں آل انڈیا

---

[1] احرار اسلام کے خطبات اور قرار دادیں ص ۱۲ ماخوذ "مسلمانوں کا روشن مستقبل" ص ۵۴۹